علمِ تفسیر پر ایک نظر (۴)

جناب تحسین بلخی، کینیڈا

دورِ تابعینؒ میں تفسیر

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا دور آتا ہے۔ اس دور میں ایک طرف تو متذکرہ بالا فرقے اپنے باطل افکار و نظریات کی اشاعت کے لئے قرآن کو آلۂ کار بنانے میں زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ رومیوں اور ایرانیوں کے اختلاط کے سبب ایسے عجمی افکار کو دخل اندازی کے مواقع ملے جن سے ذہنی انتشار کا پیدا ہونا لازمی تھا، تیسری طرف یونانی فلسفہ تھا جو گربہ پائی اختیار کر کے آگے بڑھ رہا تھا اور چوتھی طرف اسلامی مملکت کے رقبہ کے وسیع تر ہو جانے کے سبب معاشرتی، معاشی اور سیاسی نوعیت کے بہت سے پیچیدہ مسائل ابھر رہے تھے۔

یہ گوناگوں مشکلات تھیں جن سے تابعین کو عہدہ برآ ہونا تھا، چنانچہ ان سے نمٹنے کے لئے انہوں نے تفسیرِ قرآن کے باب میں جو طریقہ اختیار کیا، وہ اصلاً اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، جو صحابہؓ کا تھا۔ کیونکہ ان کے خیال میں بحثوں کا دروازہ کھولنے اور عقلی ردّ و قدح سے ذہنی انتشار کے دور ہونے کا امکان کم تھا اور بڑھ جانے کا اندیشہ زیادہ تھا، اور عقلی مباحث ان فتنوں کو ہوا دینے کا سبب بنتے جو اسلام دشمن عناصر کو قرآن کا آلہ کار بنا کر اٹھا رہے تھے۔ اس لئے اس دور میں قرآن کی تفسیر و تشریح کا عام انداز تقریباً ویسا ہی رہا جیسا کہ صحابہؓ کے دور میں تھا۔ یعنی ممکن حد تک ایسے مباحث سے اجتناب جن سے ذہنی انتشار کو غذا ملے، احکام کے اسرار اور پیغامِ الٰہی کی حکمتوں پر توجہ دینے سے زیادہ احکام کی پابندی اور پیغامِ الٰہی کی اشاعت پر زور اور ایسی آیتوں میں غیر ضروری کرید سے اجتناب جن میں

انسان سے کسی عمل کا مطالبہ نہیں ہے۔

دورِ تابعینؒ میں تفسیر کی نوعیت

چنانچہ دورِ تابعین میں تفسیر کی جو نوعیت تھی' وہ یہ کہ ان کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ ہوتی کہ ان تک صحابہؓ کے ذریعہ جو کچھ پہنچا تھا' اسے بیان کرنے پر اکتفا کریں [۹۸]۔ لیکن چونکہ ان کے دور میں ایسے عقلی مباحث اور اعتقادی قسم کے مسائل کی بھنبھناہٹ بڑھ گئی تھی جس کی ابتدا کا سراغ اگرچہ دورِ صحابہ کے نصفِ ثانی کے لگ بھگ اور ربع ثالث میں ملتا ہے' مگر اس زمانے میں ان کی کچھ چل نہ سکی تھی' اس لئے تابعین ایسے مباحث و مسائل سے بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتے تھے' کیونکہ ان سے بالکلیہ صرف نظر کرنے کے سبب کج روی اور ضلالت کو اپنی کارکردگی کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی' اس لئے اس باب میں تابعین کی روش یہ تھی کہ بعض حضرات تو ان مباحث و مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے محض ناصحانہ طریق اختیار کرتے' مثلاً محمد بن سیرینؒ (م ۱۱۰ھ) سے ایک مرتبہ بعض لوگوں نے مسئلہ جبر و قدر کے متعلق گفتگو کرنا چاہی تو جواب میں محمد بن سیرینؒ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ [۹۹]......الایہ

(یعنی) "اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناشائستہ باتوں اور سرکشی سے منع کرتا ہے"....الخ

مطلب یہ تھا کہ اس طرح کے فضول و لایعنی مسائل میں وقت برباد کرنے کا کیا حاصل' تمہیں عملِ خیر کا حکم دیا گیا ہے' وہ کرتے جاؤ اور عملِ شر سے بچتے رہو۔ کچھ حضرات ان مباحث و مسائل پر کبھی کبھار گفتگوئیں اور بحثیں بھی کیا کرتے' مگر اس معاملے میں ان کی کوشش یہی ہوتی کہ ذہنی کشتی اور مناظرے کا رنگ پیدا نہ ہو' بلکہ جہاں تک ہو سکے قیل و قال کرنے والوں کو عقلی چھلانگیں لگانے اور کج بحثیوں کے رخ سے ہٹا کر ان کے اذہان و قلوب کو احکام کی پابندی کی راہ پر لگایا جائے' مثلاً داؤد بن ابی ھندؒ (۱۳۹ھ) ایک مرتبہ شام گئے' تو قدریوں کا مشہور نمائندہ غیلان دمشقی ان کے پاس بحث کے لئے آیا اور کہا کہ میں چند

مسائل پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ داؤد نے فرمایا کہ "تم پچاس مسائل کے بارے میں پوچھ سکتے ہو، لیکن میں صرف دو باتیں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں"۔ غیلان نے کہا "ہاں پوچھئے"۔ انہوں نے صرف چند جملے ہی ارشاد فرمائے، لیکن غیلان ان کی قوت استدلال کے مقابلہ میں کچھ نہ بول سکا۔ پھر انہوں نے دو ایک ناصحانہ جملے کہے۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے چلا گیا ۱۰۰۔

اور یہ روش بھی ان مباحث و مسائل کے باب میں ہوا کرتی جن کے اثرات عقیدے یا عمل پر پڑتے ہوں، اور جن باتوں کا کوئی سروکار عقیدے یا عمل سے نہ ہوتا، ان میں وہ پڑتے ہی نہ تھے۔ مثلاً شعبیؒ (عامر بن شراحیل م ۱۰۳ھ) سے کسی نے پوچھا کہ ابلیس کی بیوی کا نام کیا ہے؟ پوچھنے والے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ جب ابلیس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ جن تھا تو یقیناً کوئی جنیہ ہوگی جو ابلیس کی "رفیقۂ حیات" ہونے کی بنا پر "ملکۂ شیاطین" ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جس کا تعلق عقیدے یا عمل سے ہو، اس لئے دیکھئے، کتنا پر لطف اور دلچسپ جواب دیا ہے امام شعبی نے۔ کہتے ہیں کہ "میں اس (ابلیس) کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا کہ مجھے معلوم ہوتا" ۱۰۱۔

رہے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور وسیع تر ہو جانے والی اسلامی مملکت کے مقتضیات کی بنا پر، جن کی جانب اوپر اشارہ کیا گیا ہے، ایسے پیش آنے والے نت نئے تمدنی و معاشرتی مسائل، جن کے بارے میں ان تابعین تک صحابہ کے ذریعہ نہ کوئی ایسی حدیث پہنچی ہوتی جو قرآنی اصول و کلیات کی تشریح و تفسیر کے باب میں ان کی رہنما ہوتی اور نہ خود صحابہ کی اپنی بیان کردہ کوئی تفسیر و تعبیر ہوتی تو پھر ایسے پیش آمدہ عملی مسائل کے حل کی خاطر وہ خود اپنی علمی بصیرت سے کام لے کر قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح کرتے ۱۰۲۔ جس کی بکثرت مثالیں قاضی شریح (م ۷۸ھ) ابراہیم نخعی (م ۹۶ھ) مجاہد (م ۱۰۳ھ) عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ) کعب بن مسور (م ۳۶ھ) زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ) اور محمد بن سیرین وغیرہم کے افادات میں مل سکتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ممکن ہے دورِ تابعین اور اس دور میں تفسیر کی نوعیت کے سلسلۂ کلام میں جن مباحث و

مسائل اور جن عقائد اور افکار و نظریات کی جانب واضح اشارات کرتے ہوئے' ان کے باب میں تابعین کی روش اور ان کے موقف سے متعلق جو بیان کیا گیا ہے' اس سے یہ سمجھا جائے کہ مقصد یہ ہے کہ اپنے موقف اور اپنی روش کے لحاظ سے تابعین میں سے ہر شخص کے وہی کوائف تھے جن کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مثال میں محمد بن سیرین' داؤد بن ابی ہند اور شعبی کے نام لکھے گئے ہیں۔ نہیں' مقصد یہ نہیں ہے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اکثر اکابر تابعین کے یہ کوائف تھے' ورنہ ایک خاصی تعداد ایسے اشخاص و رجال کی بھی تھی' جو بہرحال دورِ تابعین سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن ان عقائد و نظریات اور افکار و تصورات سے متاثر ہو گئے تھے' جن کی جانب اوپر واضح اشارات کئے گئے ہیں' اور کچھ تو نہ صرف یہ کہ ان عقائد و نظریات سے متاثر تھے' بلکہ ان عقائد و نظریات اور افکار و تصورات کی بنیاد پر پیدا ہونے والے فرقوں میں سے کسی نہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے' مثلاً عکرمہ (م ۱۰۵ھ) مولی ابن عباسؓ کہ یہ خارجیت کی طرف بہت مائل تھے [۱۰۳]۔ یا مثلاً قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۷ھ) کہ یہ قدریت سے بہت متاثر تھے [۱۰۴]۔ اسی طرح اس دور سے متعلق تفسیر میں شہرت رکھنے والے بعض ایسے حضرات بھی کتبِ رجال میں ملیں گے' جو رجعت کے قائلین میں سے تھے [۱۰۵]' اور بعض اپنی عقلیت پسندی کی بناپر تفسیر بالرائے میں جری بھی ملیں گے۔

حاصل کلام

غرض' تابعینؒ نے' بقول علامہ ابن تیمیہؒ' صحابہ کرامؓ سے تفسیر بھی حاصل کی' جس طرح انہوں نے ان سے علمِ سنت حاصل کیا۔ وہ صحابہ سے حاصل کردہ تفسیر میں کہیں کہیں استنباط و استدلال کے معاملہ میں کلام کرتے ہیں' جس طرح بعض حدیثوں میں استدلال و استنباط کے معاملہ میں کلام کرتے ہیں۔

نیز ان تابعین کے درمیان تفسیر میں کم اختلاف ہے اور تفسیر میں اختلاف سے زیادہ احکام میں اختلاف ہے [۱۰۶] اور ایسا قدرتا ہونا چاہئے تھا' کیونکہ زمانے کے اقتضاء ات اور بدلتے ہوئے حالات کی بناپر ابھرنے والے نت نئے مسائل کے حل کی خاطر جب اجتہاد کیا

جائے گا تو لازمی طور پر آراء کے درمیان اختلاف ہو گا۔

تفسیر میں تابعین کے درمیان جس قسم کے اختلاف کا ثبوت ملتا ہے' وہ بقول علامہ ابن تیمیہ' زیادہ تر تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں :

(الف) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ چیز ایک ہی ہوتی ہے' مگر اس کے مختلف رخ ہوتے ہیں یا وہ متعدد صفتیں رکھتی ہے' لہٰذا تعبیر کے معاملہ میں ایک نے ایک رخ پیش نظر رکھ کر ایک جملہ استعمال کیا اور دوسرے نے دوسرا رخ پیش نظر رکھ کر دوسرا جملہ استعمال کیا' یا ایک نے اس چیز کی جو صفت اہم سمجھی' اس کی جانب توجہ دلانے کے لئے ایک لفظ استعمال کیا اور دوسرے نے اسی چیز کی دوسری صفت کو اہمیت دی' اس لئے دوسرا لفظ استعمال کیا۔ یوں بظاہر دو جملے یا دو الفاظ ہوتے ہیں' مگر ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن' کتاب' فرقان' ہدیٰ' بیان' شفاء' کہ ان سب کا مسمیٰ تو ایک ہی ہے مگر اس کی مختلف صفتوں کو بتانے کے لئے یہ مختلف الفاظ ہیں۔

(ب) کسی عام لفظ کی بعض انواع کو بطور تمثیل ذکر کر دیا تھا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ اس طرح مخاطب پوری نوع کو سمجھ لے گا' نہ یہ کہ اس کی کوئی جامع و مانع تعریف مد نظر ہوا کرتی' مثلاً کوئی شخص لفظ خُبْزٌ (روٹی) کی بابت پوچھے تو اس کو ایک روٹی دکھا کر کہا جائے کہ یہ خُبْزٌ ہے' اس سے مقصود روٹی کی نوع کا بتانا ہو گا نہ کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی وہ خاص روٹی۔ [۱۷]

اکثر اکابر تابعین کے درمیان تفسیر میں جو اختلاف ہے وہ عام طور پر انہی دو قسموں میں تقسیم ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا اختلاف حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں' بلکہ محض اسلوب ادا اور پیرایۂ بیان کا اختلاف ہے البتہ ان کے درمیان احکام میں جو اختلافات ہیں وہ ان دو قسموں سے ذرا مختلف ہیں' اور اس کی جو وجہ تھی اس کی جانب اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔

دورِ تابعین کے مشہور مفسرین

ویسے تو اس دور میں بکثرت ایسے مفسرین ہیں جو علم تفسیر میں شہرت رکھتے تھے' مگر ان

میں بھی مندرجہ ذیل حضرات اس علم میں امتیازی خصوصیت و شہرت کی بنا پر خاص طور سے قابل ذکر ہیں، قطع نظر اس سے کہ کس کے افکار و نظریات کیسے کچھ تھے اور اپنی رائے اور اپنے مسلک کے لحاظ سے کس کا کیا موقف تھا اور اس علم میں درک و بصیرت کے لحاظ سے کس کا کیا درجہ تھا اور استناد و ثاقت کے لحاظ سے کس کا کیا مقام تھا :

۱۔ علقمہ بن قیس متوفی ۶۲ھ — ۲۔ عمرو بن شرجیل متوفی ۶۳ھ

۳۔ مسروق بن الاجدع " ۶۳ھ — ۴۔ ربیع بن خثیم " ۶۵ھ

۵۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی " ۷۳ھ — ۶۔ زر بن حبیش " ۸۲ھ

۷۔ ابو العالیہ الریاحی " ۹۳ھ — ۸۔ سعید بن جبیر شہید ۹۵ھ

۹۔ شعبی (عامر بن شراحیل) " ۱۰۳ھ — ۱۰۔ جابر بن زید متوفی ۱۰۳ھ

۱۱۔ مجاہد بن جبر متوفی ۱۰۴ھ — ۱۲۔ عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) متوفی ۱۰۵ھ

۱۳۔ ضحاک بن مزاحم " ۱۰۵ھ — ۱۴۔ طاؤس بن کیسان " ۱۰۶ھ

۱۵۔ ابو رجاء عطاردی " ۱۰۷ھ — ۱۶۔ سلیمان بن یسار " ۱۰۷ھ

۱۷۔ محمد بن کعب القرظی " ۱۰۸ھ — ۱۸۔ حسن بصری " ۱۱۰ھ

۱۹۔ محمد بن سیرین متوفی ۱۱۰ھ — ۲۰۔ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ

۲۱۔ قتادہ بن دعامتہ " ۱۱۷ھ — ۲۲۔ ابو اسحاق السبیعی " ۱۲۷ھ

۲۳۔ اسماعیل بن عبد الرحمٰن (سدی کبیر) متوفی ۱۲۸ھ — ۲۴۔ یحییٰ بن یعمر " ۱۲۹ھ

۲۵۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی ۱۰۸ـ ۱۳۵ھ — ۲۶۔ زید بن اسلم " ۱۳۶ھ

۲۷۔ داؤد بن ابی ہند " ۱۳۹ھ — ۲۸۔ اعمش (سلیمان بن مہران) " ۱۴۸ھ

مؤلفین

دورِ تابعین میں اگرچہ علومِ اسلامی کی باضابطہ فن وار تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی، لیکن ایسے آثار ضرور پائے جاتے تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ جلد ہی یہ نوبت آجائے گی، چنانچہ بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کردی۔

بہر حال' اس دور میں خاصی تعداد ایسے تابعین کی ملتی ہے' جنہوں نے تفسیرِ قرآن یا اس علم کے کسی خاص موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کیں' جن میں چند یہ ہیں' قطع نظر اس سے کہ ان کے عقائد اور افکار و نظریات کیسے اور کیا کچھ تھے' اور وثاقت کے لحاظ سے ان کا مرتبہ کیا تھا اور ان کی تالیف کردہ کتب کا استنادی پایہ کیا تھا :

○ ابو العالیہ الریاحی (رفیع بن مہران م ۹۳ھ) : ان کی تالیف کردہ تفسیر کا تذکرہ کشف الظنون جلد اول ص ۴۳۲ کے حوالے سے کیا جاچکا ہے۔

○ سعید بن جبیر : ایک عظیم اور جلیل القدر شخصیت جسے حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) نے (۹۵ھ) میں شہید کر کے اپنی بدترین شقاوت کا ثبوت دیا' حضرت ابن عباسؓ کے مخصوص اور ارشد تلامذہ میں سے تھے [۹]۔ انہوں نے اپنی یہ تفسیر عبد الملک بن مروان (م ۸۶ھ) کی درخواست پر لکھی تھی' جو سرکاری کتب خانہ میں تھی اور وہاں سے معلوم نہیں کس طرح عطاء بن دینار (۱۲۶ھ) کے ہاتھ لگ گئی' جس کی روایت وہ سعید بن جبیر سے کرنے لگے' حالانکہ انہوں نے سعید بن جبیر سے سنا نہ تھا [۱۰]۔ نیز سعید بن جبیر کی اس تفسیر کا تذکرہ ابن ندیم نے بھی کیا ہے [۱۱]۔

○ مجاہد : حضرت ابن عباسؓ کے مشہور تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے' اپنے تفسیری اقوال میں اہلِ کتاب سے حاصل کردہ معلومات بھی بیان کیا کرتے [۱۲]۔ تفسیر میں ان کی تالیف کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے کیا ہے [۱۳]۔ ان کی تفسیر کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے' جو ۴۴۴ھ کا مکتوبہ ہے [۱۴]۔

○ عکرمہ (مولیٰ ابن عباسؓ) : ان کا شمار بھی حضرت ابن عباسؓ کے خاص تلامذہ میں ہوتا ہے [۱۵]۔ تفسیر میں ان کی تالیف کا تذکرہ ابن ندیم اور اسماعیل پاشا بغدادی نے کیا ہے [۱۶]۔

○ ضحاک بن مزاحم : مشہور تو یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر کا علم حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کیا تھا' مگر ائمہ رجال کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ان کی ملاقات کبھی ہوئی ہی نہیں' بلکہ سعید بن جبیر سے انہوں نے رے میں علمِ تفسیر حاصل کیا تھا [۱۷]۔ یہی

نہیں، بلکہ حضرت ابن عمرؓ (م۷۱ھ) حضرت ابو ہریرہؓ (م۵۸ھ) اور حضرت ابو سعید خدریؓ (م۷۱ھ) وغیرہ سے جو روایتیں یہ بیان کرتے ہیں، اس سلسلہ میں بھی ائمہ رجال کہتے ہیں کہ کسی صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں [۱۸]۔ بہرحال، تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ عمر رضا کحالہ نے ابن عساکر (م۵۷۱ھ) کی تاریخِ دمشق کے حوالہ سے کیا ہے [۱۹]۔

○ حسن بصری: اکابر تابعین میں سے مشہور و بلند مرتبہ شخصیت۔ ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے فیض یافتہ تھے، مگر ائمہ رجال کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ان کا استفادہ ثابت نہیں، تاہم دوسرے متعدد صحابہ سے علمی استفادہ ثابت ہے [۲۰]۔ تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ ابن ندیم نے اور حاجی خلیفہ نے کیا ہے [۲۱]۔

○ عطاء بن ابی رباح: فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے ایک جلیل القدر تابعی، مکہ کے مفتی اور مشہور ائمہ میں سے تھے، امام ابو حنیفہ (م۱۵۰ھ) فرمایا کرتے کہ جن لوگوں سے میں ملا ہوں، ان میں عطاء سے زیادہ علمی فضیلت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا [۲۲]۔ تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ اسماعیل پاشا بغدادی نے کیا ہے [۲۳]۔

○ قتادہ بن دعامہ: مفسرِ قرآن کی حیثیت سے مشہور ترین شخصیت۔ اگرچہ حضرت انس بن مالکؓ (م۹۳ھ) اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے استفادہ کیا تھا، مگر ان کے اصل معلم حسن بصری تھے، جن کی خدمت میں یہ تقریباً ۱۲ سال رہے تھے [۲۴]۔ ائمہ رجال کہتے ہیں کہ روایتوں میں یہ تدلیس [۲۵] کے عادی تھے [۲۶]۔ حاجی خلیفہ نے تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ کیا ہے [۲۷]۔

○ اسماعیل بن عبد الرحمان (سدی کبیر): ائمہ رجال نے انہیں بالکل ساقط الاعتبار تو نہیں البتہ ضعیف اور مجروح قرار دیا ہے [۲۸]۔ عمر رضا کحالہ نے عاملی کی اعیان الشیعہ کے حوالہ سے تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ کیا ہے [۲۹]۔

○ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی: چند صحابہ کے اسماء ذکر کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے عطاء بن ابی مسلم الخراسانی مرسلاً روایت کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان صحابہ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے بلکہ ان کے اور ان صحابہ کے

درمیان کا راوی ساقط ہے' پھر اخیر میں طبرانی (سلیمان بن احمد م ۳۶۰ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ سوائے حضرت انسؓ کے کسی اور صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے [۱۳۰]۔ بہرحال' تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کیا ہے [۱۳۱]۔

○ **زید بن اسلم**: حفظ و یادداشت کے لحاظ سے بعض ائمہ رجال نے ان کے متعلق کلام کیا ہے' نیز یہ کہ یہ تدلیس کے عادی تھے اور یہ بھی کہ یہ تفسیر بالرائے کیا کرتے [۱۳۲]' تاہم ان کے فضل و کمال کی مدح ائمہ رجال کا ایک طبقہ کرتا ہے [۱۳۳] اور صاحب الذریعہ شیخ طوسی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے زید بن اسلم کو حضرت جعفر صادقؒ (م ۱۴۸ھ) کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے [۱۳۴]۔ عمر رضا کحالہ نے ان کا تعارف اور تفسیر میں ان کی تالیف کا تذکرہ عاملی کی اعیان الشیعہ اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کے حوالے سے کیا ہے [۱۳۵]۔ نیز ابن ندیم نے ان کی تفسیر کا ذکر جس نسخہ کی بنیاد پر کیا ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ نسخہ سکری (ابو سعید الحسن بن الحسین بن عبداللہ السکری م ۲۷۵ھ) کے قلم کا مکتوبہ ہے [۱۳۶]۔ اور علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ ان کی مولفہ تفسیر کی روایت ان سے ان کے لڑکے عبدالرحمٰن (م ۱۸۲ھ) کرتے ہیں [۱۳۷]۔

○ **داؤد بن ابی ھند**: دورِ تابعین میں تفسیر کی نوعیت اور دور تابعین کے مشہور مفسرین کے سلسلۂ کلام میں ان کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا [۱۳۸] لیکن ان سے سماع کے بارے میں ائمہ رجال انکار کرتے ہیں۔ نیز بعض ائمہ رجال یہ کہتے ہیں کہ یہ قوی الحافظہ نہ تھے' اس لئے جب کتاب سامنے رکھے بغیر محض حفظ و یادداشت سے کوئی روایت بیان کرتے تو اکثر و بیشتر انہیں اشتباہ و وہم لاحق ہو جاتا [۱۳۹]۔ تفسیر میں ان کی تالیف کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے [۱۴۰]۔

نیا موڑ

یہ تھے اس دور کے چند ممتاز و مشہور مفسرین اور یہ تھے تفسیر کے چند مولفین' لیکن جیسا کہ پہلے اشارتاً کہا جا چکا ہے کہ اسلامی فتوحات کے دائرے کی وسعت اور مختلف اقوام کے اختلاط نیز یونانی و عجمی افکار کے آہستہ آہستہ داخل ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ ایک

جدید فکر پیدا ہوئی۔ اس جدید فکر سے اذہان متاثر ہونے لگے۔ ایک جانب اسلام کی سادہ تعلیمات تھیں اور دوسری جانب ذہنوں کو متاثر کرنے والی عقلی بحثیں تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی تفہیم کے لئے جو سادہ سی دو شکلیں تھیں --- ایک تو احکام کی توضیح اور دوسری لغت کی توضیح --- یہ ناکافی سمجھی جانے لگیں اور اس سادہ طریقے کے بجائے کہ قرآن کی تفسیر صرف قرآنی آیات یا حدیث و سنت کی روشنی میں کی جائے' یا بحث و تمحیص کے دائرے کو آثار و اقوال تک محدود رکھا جائے' یہ پسند کیا جانے لگا کہ قرآن کی تفسیر وقت کے جدید افکار کی روشنی میں کی جائے۔

یہ تابعین کا آخری دور تھا' جبکہ اکثر و بیشتر اکابر تابعین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے' اور ان میں سے جو مغتنم ہستیاں باقی تھیں' وہ بھی سفر آخرت کے لئے پابہ رکاب تھیں۔

ستارے ڈوبتے جاتے ہیں' شمعیں بجھتی جاتی ہیں
مرتب خود بخود انجامِ محفل ہوتا جاتا ہے

چنانچہ تابعین کے اسی آخری دور سے تفسیر ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ تھا فکری الجھنوں کی چھان بین کرنے اور شکوک و شبہات کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر اس انداز سے قرآن کی تفہیم کا کہ فکری انتشار بلکہ فکری آوارگی سے اذہان و قلوب کو محفوظ رکھا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ تابعین کے اس آخری دور میں پوری تفسیرِ قرآن پر کم اور زیادہ تر خاص خاص مختلف موضوعات پر تالیفات کا سراغ ملتا ہے' مثلاً کسی نے قرآن کے ناسخ و منسوخ پر تالیف کی' کسی نے وجوہ و نظائر[۱۴۱] قرآن پر' کسی نے احکام القرآن پر اور کسی نے قرآن کے مشکل مقامات اور غریب الفاظ کی تشریح و توضیح کے لئے قلم اٹھایا۔

یہ دراصل بنیاد پڑ رہی تھی علوم القرآن کی' اور تیاریاں ہو رہی تھیں مختلف نقطہ نظر سے قرآن کی تفسیریں تالیف کئے جانے کی' مثلاً آثار و روایات کے لحاظ سے' لغت و بلاغت کے لحاظ سے' عقلی زاویہ نگاہ سے' طبعی اور معاشرتی علوم کے نقطہ نظر سے' وغیرہ وغیرہ۔

چند اور مفسرین اور ان کی تالیفات

نیز تابعین کے اسی بالکل آخری دور میں جب زمانہ اس دور کو الوداع کہہ رہا تھا اور تبع

تابعین کے دور کا استقبال کر رہا تھا' تاریخ میں چند ایسے مفسرین نظر آتے ہیں جن میں سے بعض کا تو تابعی ہونا اور کسی صحابی سے ان کے سماع کا ثبوت ہی محلِ نظر ہے' اور بعض یقینی طور پر تابعی نہ تھے لیکن اپنے کچھ خاص عقائد و افکار اور نظریات و تصورات کا حلقۂ اثر پھیلانے کی بنا پر شہرت رکھتے تھے' ان میں سے چند اہم اشخاص اور انکی تالیفات درج ذیل ہیں :

○ ابو عبد اللہ بن یزید الجعفی (م ۱۲۸ھ) : یہ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے بھی روایت کرتے تھے [۱۴۲] اور حضرت ابو الطفیل کی ولادت ۳ھ میں اور وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی' دوسرے لفظوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابو الطفیل کم و بیش سات سال کے تھے [۱۴۳]۔

غرض' جابر جعفی کو حضرت ابو الطفیل سے روایت کرنے کے سبب بعض لوگوں نے تابعی لکھا ہے' اور شیخ عبد اللہ محمد بن حسن الماماقانی (۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء) جو رجال الشیعہ کے اکابر علماء میں سے تھے' وہ ان (جابر جعفی) کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے ان کی وثاقت کا اظہار "ثقة جليل" (جلیل القدر ثقہ شخصیت) کے فقرے سے کرتے ہیں [۱۴۴] اور علامہ ذہبی ان (جابر جعفی) کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ رجعت کا عقیدہ رکھنے والوں میں سے تھے [۱۴۵]۔

"رجعت" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور وہ دنیا میں پھر واپس تشریف لائیں گے۔ رجعت کا یہ عقیدہ رکھنے والے حضرات کہتے ہیں کہ ابن ملجم (م ۴۰ھ) کے وار سے زخمی ہو کر شہادت پانے والی شخصیت حضرت علیؓ کی نہ تھی' لیکن وہ شکل و شباہت میں چونکہ حضرت علیؓ جیسی تھی اس لئے انہیں لوگوں نے حضرت علیؓ سمجھ لیا' گویا حضرت عیسیٰؑ کی طرح یہاں بھی معاملہ "ولكن شبه لهم" کا ہوا اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح حضرت علیؓ زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور دنیا میں پھر واپس تشریف لائیں گے [۱۴۶]۔ اس عقیدۂ رجعت کے بارے میں دورِ حاضر کے ایک شیعہ مجتہد' سید العلماء مولانا سید علی نقی تحریر فرماتے ہیں کہ :

"رجعت خاص فرقہ شیعہ کا عقیدہ اور طرۂ امتیاز ہے [۴۷]۔"

بہرحال' جابر جعفی کی تالیف کا تذکرہ "تفسیر الجعفی" کے نام سے اسماعیل پاشا نے کیا ہے [۴۸]۔

○ **ابان بن تغلب** (م ۱۴۱ھ) : اکابر علمائے شیعہ میں سے تھے' چنانچہ ماقانی ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ثقة جليل القدر عظيم المرتبة في اصحابنا" [۴۹] یعنی "ہمارے اصحاب میں ایک جلیل القدر' عظیم الرتبہ ثقہ شخصیت تھے"۔ اور ان کی تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن ندیم لکھتے ہیں کہ "ان کی مولفہ کتب میں ایک کتاب "معانی القرآن" عمدہ کتاب ہے" [۵۰]۔ اور ایک شیعی فاضل سید اعجاز حسین نیشاپوری م ۱۲۸۶ھ ان کی اس تالیف کا تعارف "غریب القرآن" کے نام سے کرانے کے بعد ان کی عظمت و وثاقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اپنی اس تالیف میں انہوں نے شعرائے جاہلیت کے کلام سے استشہاد کرتے ہوئے قرآن کے مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح کی ہے [۵۱]۔

○ **علی بن ابی طلحہ** (م ۱۴۳ھ) : حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب تفسیر میں ایک تالیف پر گفتگو کے دوران یہ بات بہرحال سامنے آچکی ہے کہ علی بن ابی طلحہ کے پاس تفسیر کی ایک کتاب تھی۔ اسی جگہ اس بات کی نشاندہی کردی گئی ہے کہ یہ کتاب یا تو مجاہد کی تھی جو علی بن ابی طلحہ کو مل گئی اور وہ اس درمیانی واسطہ کو ساقط کرکے براہ راست حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کرتے اور وہی آگے منتقل ہوتی ہوئی امام بخاری تک پہنچی' یا پھر خود انہوں نے وہ کتاب قلمبند کی تھی' اور گمان غالب یہی ہے کہ وہ انہی کی تالیف تھی' اور اس کی تائید میں کشف الظنون کا حوالہ دیا جاچکا ہے۔ اب اگر وہ کتاب علی بن ابی طلحہ کی نہ تھی' تو بھی حاجی خلیفہ کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے تفسیر میں ایک کتاب تالیف کی تھی :

> "ثم بعد هذه الطبقة الذين صنفوا كتب التفاسير التي تجمع اقوال الصحابة والتابعين .... ثم بعد هؤلاء طبقة اخرى منهم عبد الرزاق وعلى بن ابى طلحة وابن جرير وابن ابى حاتم [۵۲]....الخ

(یعنی) "پھر اس طبقہ (عطاء بن ابی رباح' حسن بصری' ابوالعالیہ وغیرہ) کے بعد وہ لوگ ہیں جنہوں نے تفسیر کی کتابیں تصنیف کیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال جمع کئے گئے..... پھر ان لوگوں کے بعد دوسرا طبقہ ہے جن میں عبدالرزاق اور علی بن ابی طلحہ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم (وغیرہ) ہیں۔"

○ ابوالنضر محمد بن سائب کلبی (م ۱۴۶ھ) : اکابر علمائے شیعہ میں سے تھے' چنانچہ صاحب الذریعہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ "کان من اصحاب الامامین الباقر والصادق" [۱۵۳] (ابن سائب امام باقر (م ۱۱۴ھ) اور امام جعفر صادق دونوں اماموں کے اصحاب میں سے تھے)۔ نیز یہ بھی رجعت کے قائلین میں سے تھے' اور بلا جھجک اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا کرتے [۱۵۴]۔ علم تفسیر اور علم الانساب میں ایک مشہور شخصیت کی حیثیت سے کتب تاریخ و سیر اور کتب رجال میں ان کا نام آتا ہے [۱۵۵] ہے۔ تفسیر میں ان کی تالیف کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے [۱۵۶] اور ان کے تذکرہ میں وہ لکھتے ہیں کہ :

"سلیمان بن علی (م ۱۴۲ھ) نے ان (ابن سائب) کو کوفہ سے بصرہ بلوا کر اپنے گھر میں ٹھہرایا' جہاں ابن سائب لوگوں کو تفسیر قرآن املا کرانے لگے [۱۵۷]' تا آنکہ سورۂ براءۃ کی ایک آیت تک پہنچے تو اس آیت کی تفسیر انہوں نے معروف مفاد و مضمون کے خلاف کی تو لوگوں نے اس کے لکھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابن سائب نے کہا کہ بخدا میں ایک حرف بھی نہیں لکھواؤں گا تاوقتیکہ اس آیت کی تفسیر اسی طرح نہ لکھی جائے جس پر اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ قضیہ سلیمان بن علی تک پہنچا' انہوں نے کہا کہ وہی لکھو جو یہ (ابن سائب) کہہ رہے ہیں' اور چھوڑ دو اس بات کو جو اس کے سوا ہے" [۱۵۸]۔

ابن ندیم کی ذکر کردہ اس حکایت سے خیال گزرتا ہے کہ تفسیر میں محمد بن سائب کی جس تالیف کا تذکرہ ابن ندیم نے ص ۵۷ پر کیا ہے وہ ان کی یہی املا کرائی ہوئی کتاب ہے۔ اور اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد اخیر میں ص ۱۴۶ پر جو وہ لکھتے ہیں کہ "ولہ من الکتب کتاب تقسیم القرآن" (ابن سائب کی تالیف کردہ کتب میں سے ایک کتاب موسومہ "تقسیم القرآن" ہے) تو یہ غالباً ان کی تفسیر میں تالیف کردہ کتاب کے علاوہ کوئی

دوسری کتاب ہے۔ واللہ اعلم

○ مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ) : یہ اس بات کے قائل و مبلغ تھے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں جیسی صفات سے متصف ہے' یعنی انسانوں کی طرح اللہ کے جسم' کان' آنکھ' اور ہاتھ وغیرہ ہیں [۱۵۹]۔ مجاہد سے تفسیری روایات بیان کرتے' حالانکہ ان سے کبھی نہیں ملے۔ اسی طرح ضحاک سے روایت کرتے' حالانکہ ان کی ولادت سے چار سال پہلے ضحاک کا انتقال ہو چکا تھا۔ (جب ضحاک کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے تو مجاہد کے بارے میں تو بدرجہ ادنیٰ کہی جانی چاہئے' کیونکہ ضحاک کی وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی اور مجاہد کی ۱۰۴ھ میں) بعض لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ضحاک سے کچھ سنا نہیں تو پھر ان سے روایت کس طرح کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! میں اپنے والد کے ساتھ ان کے پاس آتا جاتا تھا اور ہمارے اور ان کے مکان کے درمیان ایک دروازہ ہی تو حائل تھا [۱۶۰]۔ علمائے یہود و نصاریٰ سے علمی استفادہ ذوق و شوق سے کیا کرتے اور ایسے علوم قرآن جو ان کی کتابوں کی موافقت کریں' ان سے اخذ کیا کرتے [۱۶۱]۔ غرض' ان پر سخت جرحیں کی گئی ہیں' کذاب و دجال تک کہا گیا ہے' امام ابو حنیفہ انہیں سخت ناپسند کرتے تھے' عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) ان کی تفسیر کے بارے میں کہا کرتے کہ کتنی اچھی تفسیر ہے' کاش یہ شخص ثقہ ہوتا اور امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کا قول ہے کہ لوگ تفسیر میں مقاتل بن سلیمان کے عیال ہیں [۱۶۲]۔

غرض' مقاتل بن سلیمان کا تعارف ابن ندیم نے "من الزیدیة والمحدثین والقراء" [۱۶۳] کے الفاظ سے کراتے ہوئے لکھا ہے کہ تفسیر میں ان کی ایک بڑی تالیف ہے [۱۶۴]۔ اور معجم المولفین سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ جامعہ ازہر میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے [۱۶۵]۔ اور فواد سید کی مرتبہ فہرست المخطوطات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفسیر کے جزوِ اول کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ احمد الثالث میں ہے جو سورۂ فاتحہ سے آخر سورۂ مریم تک ہے اور ۸۸۶ھ کا مکتوبہ ہے اور جزوِ ثانی کا قلمی نسخہ کتب خانہ فیض اللہ میں موجود ہے جو ابتدائے سورۂ مریم سے سورۂ الناس تک ہے اور ۵۲۴ھ کا مکتوبہ ہے [۱۶۶]۔ ہے۔

○ ابو حمزۃ الثمالی ثابت بن ابی صفیہ ۱۶۷ (م ۱۵۰ھ) : اکابر علمائے شیعہ میں سے تھے، چنانچہ مامقانی ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے انکی وثاقت کا اظہار "ثقۃ ثقۃ" کے الفاظ سے کرتے ہیں ۱۶۸۔ اور ابن حجر عسقلانی نے ان کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے بارے میں مشہور محدث یزید بن ہارون (م ۲۰۶ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ رجعت کے قائلین میں سے تھے ۱۶۹۔

غرض، ابن ندیم نے تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے کہ ان کا نام ثابت بن دینار تھا اور (ان کے والد) دینار کی کنیت "ابو صفیہ" تھی، اور ابو حمزۃ الثمالی حضرت زین العابدینؒ (م ۹۴ھ) کے اصحاب میں سے تھے، شریف و مخلص اور ثقہ اصحاب میں سے اور ابو جعفر (حضرت باقرؒ م ۱۱۴ھ) کی صحبت بھی حاصل کی تھی ۱۷۰۔

○ ابوالجارود زیاد بن المنذر (م ۱۵۰ھ) : فرقہ زیدیہ کی شاخ "جارودیہ" کے بانی و رئیس ۱۷۱ اور جن کا شمار غالی شیعوں میں ہوتا ہے ۱۷۲۔ صاحب الذریعہ تفسیر میں ان کی ایک تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ تفسیر کی روایت امام باقر سے کرتے ہیں اس لئے ابن ندیم نے ان کی اس تالیف کو امام باقر کی طرف منسوب کرتے ہوئے، اسے "تفسیرِ امام باقر" قرار دے دیا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ امام باقر کی املا کرائی ہوئی ہو ۱۷۳۔

حواشی

۹۸ احمد امین (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء) ضحی الاسلام ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مصر ۱۹۶۱ء

۹۹ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) طبقات ج ۷ ق ۱ ص ۱۴۳

۱۰۰ ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱۔ ص ۱۳۸

۱۰۱ ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۲

۱۰۲ احمد امین۔ ضحی الاسلام ج ۲ ص ۱۳۹

۱۰۳ ۔ذہبی۔ میزان الاعتدال۔ ج ۳ ص ۹۳ و ص ۹۶ و ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۳-۲۷۳

۱۰۴ ذہبی۔ میزان الاعتدال۔ ج ۳ ص ۳۸۵

۱۰۵ "رجعت" کا تعارف آگے آ رہا ہے

۱۰۶۔۱۰۷ ملاحظہ ہو اصول تفسیر' علامہ ابن تیمیہ
۱۰۸ سیوطی نے بجائے عطاء بن ابی مسلم الخراسانی کے عطاء بن ابی سلمہ الخراسانی لکھا ہے (ملاحظہ ہو الاتقان۔ نوع ۸۰) اور ابن حجر عسقلانی خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ عطاء بن میسرۃ کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۱۵) اور حاجی خلیفہ نے زمرۂ تابعین کے مفسرین میں ان کا تذکرۃ اس طرح کیا ہے "وعطاء بن ابی سلمۃ میسرۃ الخراسانی" (کشف الظنون۔ عنوان علم التفسیر)
۱۰۹ ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۲
۱۱۰ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۰
۱۱۱ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۷
۱۱۲ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳
۱۱۳ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۴۱
۱۱۴ فہرس المخطوطات المصورۃ (مرتبہ فواد سید) جلد اول ص ۳۰ مطبوعہ ۱۹۵۴ء
۱۱۵ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۳۔ ۲۷۳
۱۱۶ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۷ و اسماعیل پاشا بغدادی۔ ھدیۃ العارفین ج اول ص ۶۶۶ (مطبوعہ ۱۹۵۱ء)
۱۱۷ ذہبی۔ میزان الاعتدال۔ ج ۲ ص ۳۲۵
۱۱۸ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۳
۱۱۹ عمر رضا کحالہ۔ معجم المولفین ج ۵ ص ۲۷ (مطبوعہ ۱۹۶۱ء)
۱۲۰ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳۔ ۲۷۰
۱۲۱ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۷ و حاجی خلیفہ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۳۶
۱۲۲ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۹۹۔ ۲۰۳
۱۲۳ اسماعیل پاشا بغدادی' ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۶۶۴
۱۲۴ ابن سعد۔ طبقات ج ۷ ق ۲ ص ۱
۱۲۵ اپنے ایسے شیخ کا نام چھپالینا' جو محدثین کی نظر میں ناپسندیدہ تھے' اور اس کی جگہ دوسرے شیخ کا غیر معروف نام یا کوئی اور نام لینا تاکہ مخاطب اس روایت کو قبول کرلے یا تذبذب اور توقف میں پڑ جائے۔
۱۲۶ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۸۵
۱۲۷ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۴۱
۱۲۸ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳۷
۱۲۹ عمر رضا کحالہ۔ معجم المولفین ج ۲ ص ۲۷۶
۱۳۰ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۱۲۔ ۲۱۵

۱۳۱ کشف الظنون ج ا ص ۲۳۹
۱۳۲ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵۔۳۹۷
۱۳۳ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵۔۳۹۶
۱۳۴ محمد محسن الشہیر بالشیخ بزرگ الطہرانی۔ الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ مطبوعہ ۱۳۶۰ھ ج ۴ ص ۲۷۵
۱۳۵ عمر رضا کحالہ۔ معجم المولفین ج ۴ ص ۱۸۹
۱۳۶ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۷
۱۳۷ ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۲۵
۱۳۸۔۱۳۹ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴
۱۴۰ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۷
۱۴۱ وجوہ = وہ مشترک لفظ جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور نظائر = باہم موافقت رکھنے والے مترادف اور ہم معنی الفاظ (الاتقان۔ نوع ۳۹)
۱۴۲ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷
۱۴۳ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۸۲
۱۴۴ مامقانی۔ تنقیح المقال فی احوال الرجال۔ ج ا ص ۲۴ و ص ۲۰۱۔۲۰۵ مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۵۰ھ
۱۴۵ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ا ص ۳۷۹۔۳۸۴
۱۴۶ عبد القاہر بن طاہر البغدادی م ۴۲۹۔ الفرق بین الفرق باب ۴ کی فصل اول
۱۴۷ سید العلماء مولانا سید علی نقی۔ مقدمہ تفسیرِ قرآن، ص ۱۴۷ مطبوعہ ادارۂ علمیہ، لاہور ۱۳۸۰ھ
۱۴۸ اسماعیل پاشا۔ ایضاح المکنون ج اول ص ۳۰۴
۱۴۹ مامقانی۔ تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ا ص ۳۔۴
۱۵۰ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۳۲۲
۱۵۱ سید اعجاز حسین۔ کشف الحجب والاستار عن اسماء الکتب والاسفار ص ۳۹۳ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۵ء
۱۵۲ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون ج ا ص ۲۳۰ (عنوان "علم التفسیر")
۱۵۳ آغا بزرگ طہرانی۔ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج ۴ ص ۳۱۱
۱۵۴ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۶۔۵۵۹ و ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۷۹ و ابن خلکان م ۶۸۱ھ۔ وفیات الاعیان ج ا ص ۴۹۴۔ نیز سید العلماء سید علی نقی اپنے "مقدمہ تفسیرِ قرآن" میں "علمِ تفسیر کی تدوین اور شیعوں کی خدمات" کے عنوان کے تحت سمعانی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ۔۔۔ "ابن سائب صاحب تفسیر اہل کوفہ میں سے تھے اور

رجعت کے قائل تھے" (ص۱۴۶) پھر عقیدۂ رجعت کے بارے میں خود سید العلماء نے جو تصریح فرمائی ہے' اس کا حوالہ جابر جعفی کے سلسلہ تعارف میں گزر چکا ہے۔

۱۵۵۔ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۶ و ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۸ او فیات الاعیان ج ۱ ص ۴۹۴

۱۵۶۔ الفہرست ص ۵۷

۱۵۷۔ سلیمان بن علی کو ان کے بھتیجے' ابو العباس سفاح (پہلا عباسی خلیفہ م۱۳۶ھ) نے ۱۳۳ھ میں بصرہ کا والی مقرر کیا تھا' جہاں وہ ۱۳۸ھ تک اس منصب پر رہے' پھر ابو جعفر منصور (م ۱۵۸ھ) نے ۱۳۹ھ میں ان کو معزول کر دیا' اپنی معزولی کے بعد سے وفات تک سلیمان بن علی بصرہ ہی میں رہے (زرکلی۔ الاعلام ج ۳ ص ۱۹۳) ابن سائب کا کوفہ سے بصرہ آکر سلیمان بن علی کے گھر میں قیام کرنے اور تفسیر کی املاء کا سلسلہ جاری رکھنے کا واقعہ غالباً ۱۳۸ھ کے بعد کا ہے۔

۱۵۸۔ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۱۴۵

۱۵۹' ۱۶۰' ۱۶۱' ۱۶۲۔ ذہبی۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۷۳۔۱۷۵ او ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۷۹۔۲۸۵ واضح رہے کہ کسی کی معلومات سے استفادہ اور چیز ہے اور اس کا ثقہ اور معتمد ہونا اور چیز ہے۔ مثلاً آج مستشرقین سے بکثرت مسلمان اہل علم علمی استفادہ کرتے ہیں' اور اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگ فلاں علم میں فلاں مستشرق کے عیال ہیں' لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ مستشرق ثقہ' معتمد اور حجت بھی ہے۔

۱۶۳۔ یعنی "فرقہ زیدیہ میں سے تھے اور محدثین اور قراء میں ان کا شمار ہوتا ہے"۔

۱۶۴۔ الفہرست ص ۲۶۷

۱۶۵۔ عمر رضا کحالہ۔ معجم المولفین ج ۱۲ ص ۳۱۷

۱۶۶۔ فہرست المخطوطات المصورۃ۔ (مرتبہ فواد سید) ج ۱ ص ۲۹

۱۶۷۔ ابو صفیہ کا نام دینار تھا۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۳ و تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۷)

۱۶۸۔ مامقانی۔ تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۱ ص ۲۳ و ص ۱۸۹۔۱۹۱

۱۶۹۔ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۷

۱۷۰۔ ابن ندیم۔ الفہرست ص ۵۶

۱۷۱۔ عبد القاہر البغدادی۔ الفرق بین الفرق ص ۲۲ و ص ۳۰

۱۷۲۔ زرکلی۔ الاعلام ج ۳ ص ۹۳

۱۷۳۔ محمد محسن الشہیر بالشیخ آغا بزرگ الطہرانی۔ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱